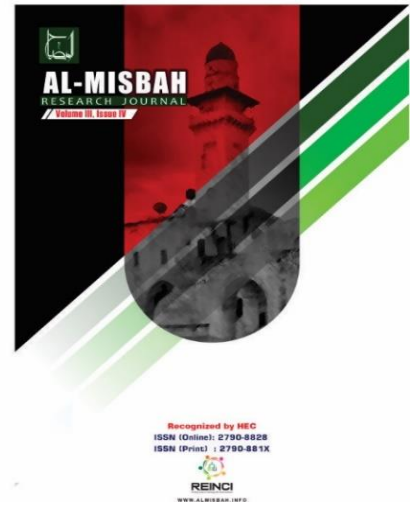




Article:

فلسطين پر یہودی دعویٰ دور استعمار سے پہلے اور دور استعمار کے بعد

Authors &

¹ Dr. Qutab Nisar

Affiliations:

Ph.D. in Islamic Studies, The University of Lahore,
Lahore.

Email Add:

¹ laverizza@gmail.com

ORCID ID:

¹ <https://orcid.org/0000-0002-2871-1993>

Published:

08-10-2023

Article DOI:

<https://doi.org/10.5281/zenodo.10357572>

Citation:

Dr. Qutab Nisar. 2023. "فلسطين پر یہودی دعویٰ دور استعمار سے پہلے اور دور استعمار کے بعد: THE JEWISH CLAIM TO PALESTINE IN THE PRE-COLONIAL AND POST-COLONIAL PERIODS", AL MISBAH RESEARCH JOURNAL 3 (04):2-17.

Copyright's info:

Copyright (c) 2023 AL MISBAH RESEARCH JOURNAL



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).

Published By:

Research Institute of Culture and Ideology,
Islamabad.

Indexation's



EuroPub



فلسطین پر یہودی دعویٰ دور استعمار سے پہلے اور دور استعمار کے بعد

THE JEWISH CLAIM TO PALESTINE IN THE PRE-COLONIAL AND POST-COLONIAL PERIODS

*Dr.Qutab Nisar

ABSTRACT

Palestine, which is the land of the prophets, is of great importance to the three major religions of the world. Both Arabs and Jews claim ownership of the land of Palestine. The Jews say that this land belonged to them for 3500 years. God gave Hazrat Ibrahim (A.S) as a gift while Arabs have been living here since ancient times And they claims that they are real owner of this land because of Descendants of Hazrat Ishmael (A.S). The land of Palestine has been in a state of war since ancient times until today. Jews, Babylonians, Romans, Muslims, Christians all built governments here. After the attacks of the Romans, the Jews left Palestine and settled in other countries. During the First World War, they remembered Palestine and after Hitler's defeat, they started coming to Palestine to make their home here.

This plan of the Jews was fulfilled by Great Britain and America. With the help of Great Britain and the United States, the Jews began to dig their claws on the land of Palestine, which continues to this day. The Arabs of Palestine, who previously owned 100% of it, now have only 12% of the territory left in their possession, and if the United Nations And Arabs do not take care, the Jews will take over this 12% area, then they will go beyond it and control the Arab areas as well.

Keys words: Jews,Arabs,Muslims,Britain,America,World war, Palestine,Israel, United Nation,Hamas,Gaza,Wes tBank

فلسطین کا تعارف

فلسطین کا لفظ عربی زبان کے لفظ فلاسٹن سے ہے۔ جب کہ یونانی زبان میں فلسطین کا لفظ فلسطیہ سے ماخوذ ہے یہ نام یونانی مصنفوں نے فلسطین کی سرزمین کو دیا ہے۔ جس نے ۱۲ صدی قبل مسیح میں جدید تل ابیب، یافو اور غزہ کے درمیان جنوبی ساحل پر ایک چھوٹی سی زمین پر قبضہ کیا تھا۔ فلسطین، مشرقی بحیرہ روم کے علاقے کا رقبہ، جدید اسرائیل کے حصے، اور غزہ کی پٹی کے فلسطینی علاقوں (بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ) اور مغربی کنارے (دریائے اردن کے مغرب) پر مشتمل ہے۔ فلسطین کی اصطلاح اس چھوٹے سے خطے کے ساتھ تنازعہ طور پر منسلک رہی ہے، جس پر بعض لوگوں نے زور دے کر اردن کو بھی شامل کیا ہے۔^۱ فلسطین سے پہلے اس سرزمین کا نام ”کنعان“ تھا کیونکہ یہاں ”کنعانیوں“ کی حکومت تھی۔^۲ اس کا پورا نام دولۃ فلسطین یا فلسطینی ریاست ہے۔^۳

* Ph.D. in Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

فلسطین کا محل وقوع

بائبل کی کتاب پیدائش کے باب ۱۰ اور گنتی کے باب ۳۴ میں خاص طور پر اسے جگہ کو کنعان کی سر زمین کہا گیا ہے یہاں پر موجودہ دور میں لبنان اور اسرائیل نے قبضہ کیا ہوا ہے اس کے علاوہ یردن اور شام کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل ہے۔ فلسطین جس کو ملک موعود بھی کہا گیا ہے اس کی حدود توریت کی کتاب گنتی باب ۳۴ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم دو کہ جب تم ملک کنعان میں داخل ہو (یہ وہی ملک ہے جو تمہاری میراث ہو گا یعنی کنعان کا ملک مع اپنی حدود اربعہ کے) جنوبی سرحد بحیرہ مردار سے مصر کے نالے (ندی) اور بحیرہ روم تک ہے مغربی سرحد بڑا سمندر یعنی بحیرہ روم تھی۔ شمالی سرحد بحیرہ روم سے شروع ہو کر کوہ ہور سے حمات اور حصر عینان کے مدخل تک مشرقی سرحد حصر عینان سے شروع ہو کر کزت کی جھیل (گیل) سے ہو کر دریائے یردن سے بحیرہ مردار تک۔ ساڑھے نو قبائل کو مذکورہ بالا علاقے پر قابض ہونا تھا، کیونکہ اڑھائی قبائل سے دریائے یردن کے مشرق کی سر زمین کا وعدہ کیا جا چکا تھا۔^۴

موجودہ فلسطین کا علاقہ آج کل دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصہ مغربی کنارے پر مشتمل ہے جس کی سرحدیں اردن، بحیرہ مردار اور اسرائیل کے ساتھ ملتی ہیں جب کہ دوسرا حصہ غزہ کی پٹی پر مشتمل ہے اس کی سرحدیں مصر، بحرہ روم اور اسرائیل سے ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی آمد

حضرت ابراہیمؑ عراق کے جنوبی شہر ”ار“ سے آکر شام کے شہر ”حران“ سے گزرتے (۱۸۰۵ ق م) انیسویں صدی ق م کے اخیر میں سر زمین ”کنعان“ پہنچے، ابتدائی مرحلے میں آپ نے ”ہکیم“ (نابلس) میں قیام کیا، اس کے بعد ”جبرون“ (الخیل) شہر منتقل ہوئے، دوران سفر آپ کی ملاقات بیت المقدس کے کنعانی حاکم ”ملکی صادق“ سے ہوئی، ابراہیمؑ کے ساتھ سفر میں ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ بھی تھے، جو اربحا میں مقیم ہوئے اور ابراہیمؑ اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ ان کے بیٹے حضرت اسحاق کی وفات الخیل شہر میں ہوئی۔^۵

”اور خداوند نے ابرام سے کہا تو اپنے وطن اور ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک

میں جا جو میں تجھے دکھاؤں اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا۔“^۶

حضرت موسیٰؑ

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے بہت جلیل القدر لیڈر تھے۔ انہوں نے یہودیوں کو مصریوں کی غلامی سے نجات دلائی، سینا کی وادی میں ان کی تربیت کی اور انہیں بت پرستی سے ہٹا کر توحید پرستی کی تعلیم دی۔ نیز انہیں بتایا کہ خدا نے فلسطین کی سر زمین ایمان لانے کے انعام کے طور پر بنی اسرائیل کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ”آج سے ۳۳۰۰ سال پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اس شہر کو فتح کرو مگر یہودیوں نے انکار کر دیا اور صحرائے سینا میں رہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ قَالُوا
يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ۖ وَإِنَّا لَنَدْخُلُهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا ۖ فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا
دَاخِلُونَ^۸

اے میری قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کر دی اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ نقصان میں جا پڑو گے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک وہاں ایک زبردست قوم ہے، اور ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں، پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

حضرت یوشع کی قیادت اور یہودی سلطنت کا قیام

حضرت یوشع نبی کی قیادت میں اس قوم کے قبیلوں نے فلسطین پر چڑھائی کی اور آہستہ آہستہ حنیوں اور دوسری قوموں سے لڑتے ہوئے اس سرزمین پر قابض ہو گئے۔ جہاں انہوں نے صدیوں حکمرانی کی۔ مگر جلد ہی یہ ملک ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

یہودی کی بادشاہت

فلسطین کے جنوبی حصے میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے دوسری قوموں اور قبیلوں کو دیکھا دیکھی اپنے میں سے ایک شخص ساؤل کو جسے طالوت بھی کہتے ہیں بادشاہ بنا لیا۔ ساؤل نے مستقل فوج منظم کی اور فلسطین و کنعان میں پہلے سے آباد شدہ قوموں عناقیوں، عمالیق، حنیوں، یبوسیوں، کنعانیوں، فلسطیوں، اموریوں، فروزیوں اور ہرجاسیوں سے جنگیں شروع کر دیں۔ قومیں مختلف قبائل تھیں جو زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعوں پر قابض تھیں۔ طالوت کے بعد یہودیوں نے حضرت داؤد کو اپنا بادشاہ بنایا جو طالوت کے عہد کی جنگوں میں اپنے شجاعانہ کارناموں کے باعث بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ۴۰ سال بعد حضرت داؤد نے فلسطین اور کنعان کی ساری سرزمین پر قبضہ کر کے ایک مضبوط بادشاہی قائم کر لی جس کا مرکز یروشلم تھا۔^۹

حضرت سلیمانؑ کے دور ایسا دور تھا جس میں یہودیوں کو اتحاد، عدل و انصاف جس کی روح سے ملک میں امن و امان صنعت و حرف کا دور دورہ ہوا۔ یروشلم جسے حضرت داؤد نے دارالحکومت بنایا تھا، ان کے عہد میں دولت کا خزانہ بن گیا۔ آپ نے اسے یورپ کے ساتھ تجارت کی سب سے بڑی منڈی بنادیا۔ آپ نے فینیسی تاجروں کو مال تجارت لے جا کر فلسطین سے گزرنے پر راضی کیا اور آس پاس کے ملکوں سے زراعت و صنعت کے تبادلے پر دستخط کئے۔ آپ نے بحیرہ احمر پر کشتیوں کا بیڑا بن کر یہود کو بہان ان قوم بنادیا اور یوں مشرق وسطیٰ کے ملک عکہ کیندر گاہ سے جسے بعد میں رومیوں نے بطومی کا نام دیا، مصر، عرب اور افریقہ سے تجارت کرنے لگے۔^{۱۰}

حضرت سلیمانؑ کا عہد فلسطین کے یہودیوں کی خوشحالی کا زمانہ تھا۔ اس عہد میں فلسطین کے یہودیوں کے دور دراز کے ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم کئے۔ حضرت سلیمانؑ نے یروشلم میں پتھروں اینٹوں اور لکڑی سے ایک معبد تعمیر کرایا۔ جس کو سونے چاندی سے آراستہ کیا گیا۔

فلسطین پر حکومتیں

۱. بنی اسرائیل کی حکومت ۱۸۴۸ سال ۱۰۰۴ ق م سے ۵۸۶ ق م تک۔

۲. عراقی حکومت ۷۷۷ سال ۵۸۶ ق م سے ۵۳۹ ق م تک۔

۳. ایرانی (فارسی) حکومت ۷۷۷ سال ۵۳۹ ق م سے ۳۳۲ ق م تک۔

۴. افریقی حکومت ۲۶۱ سال ۳۳۲ ق م سے ۶۳ سال تک۔

۵. رومانی حکومت ۶۹۹ سال ۶۳ ق م سے ۶۳۶ء تک۔

اسلامی حکومت ۱۲۰۰ سال ۶۳۶ء سے ۱۹۴۸ء تک اس میں صرف ۹۰ سال عیسائیوں کی حکومت رہی۔"

بابل بخت نصر کا حملہ

بخت نصر نے ایسا سخت حملہ کیا کہ سارے شام کو روند ڈالا، بنی اسرائیل کا خوب قتل عام کیا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا۔ اس نے پھر اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی ڈھال میں مٹی بھر کر پھر اسے بیت المقدس پر ڈال دے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جس کے باعث بیت المقدس مٹی سے بھر گیا۔ بخت نصر پھر واپس بابل چلا گیا اور اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ہزاروں قیدیوں کو بھی لے گیا۔"

سائرس اور یہودی

جب ایرانی شہنشاہ سائرس بابل کو شکست دے کر ملک شام آیا تو اس نے یہودیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ان کو قید سے آزاد کر دیا بلکہ فلسطین میں دوبارہ رہنے کی اجازت دی بلکہ ان کا خراج بھی معاف کر دیا۔" اس نے کہا خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں اور مجھے کہا کہ میں یروشلم میں جو یہوداہ میں ہے ایک ہیکل تعمیر کروں۔ خدا کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ یروشلم لوٹ جائیں اور خدا خداوند کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کریں۔ خداوند جو اسرائیل کا خدا ہے جس کی عبادت یروشلم میں کی جاتی ہے، وہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہو گا اگر خدا کے کسی بندے کو واپس لوٹنے میں مدد کی ضرورت ہو تو ان کے پڑوسیوں کو چاہیے کہ سونے اور چاندی سے ان کی مدد کریں، انہیں کھانا دیں اور مال مویشی سے بھی خدا کے گھر کے لیے مدد کریں۔ جب اسرائیلیوں نے یہ اعلان سنا تو وہ یروشلم کو روانہ ہوئے تاکہ یروشلم میں خدا کے گھر کو دوبارہ تعمیر کریں۔ ان کے پڑوسیوں نے ان کی سونے اور مال مویشی سے مدد کی۔"

یہودی پھر فلسطین کی طرف آئے اور بادشاہ کی اجازت سے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کیا اس کے بعد یہودیوں نے یہاں جزوی طور پر رہائش اختیار کر لی جو ۴۰۰ سال تک قائم رہی اور اس کے بعد ایک بار پھر رومیوں کے ہاتھوں ۷۰ء میں المقدس تباہ ہوا۔ روم کے ایک جرنیل ٹائٹس نے ۷۰ء میں یروشلم اور ہیکل کو تباہ و برباد کر دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے مسیحیت قبول کر لی اور یروشلم میں گرجے تعمیر ہونے لگے۔

رومیوں کا حملہ

آخری دفعہ قیصر روم کے بیٹے طیطس نے اس شہر کا محاصرہ کیا، یہود غلہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوئے۔ رومی فوج نے شہر میں داخل ہوئی اور ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سارے شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ ہیکل اور شہر پناہ کی بنیادوں پر ہل چلا دئے۔ تقریباً ۱۱ لاکھ یہود قتل

ہوئے اور ایک لاکھ غلام بنالئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر یہودی سر نہ اٹھاسکے اور نہ ہی ہیکل کی تعمیر کی ہمت ہوئی۔^{۱۵} اچوتھی صدی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی اور اس کے بعد بیت المقدس میں گرے تعمیر ہونے لگے۔

مسلمانوں کا حملہ

اس کے بعد مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کیا تو ان کے پاس دو راستے تھے پہلا یہ کہ وہ اس کو مکمل تباہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں اور دوسرا یہ کہ محاصرہ جاری رکھیں اور لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیں۔ مسلمانوں نے محاصرہ کا طریقہ اپنایا۔ تب پہلی دفعہ یروشلم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد حضرت اسماعیلؑ کے قبضہ میں آیا۔

عیسائیوں کا بیت المقدس پر حملہ

بیت المقدس اس وقت سلطان مصر کی حکومت میں تھا جس نے اسے ترکوں سے لے لیا تھا۔ صلیبوں نے ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو اس پر قبضہ کیا۔ کوہ زیتون پر سینٹ جارج کے ایک سایہ نے ان پر اس قدر اثر ڈالا کہ سب مل کر دیواروں پر جا گرے اور ان کے پار ہو گئے۔ ان کا برتاؤ اس شہر مقدس کے باشندوں کے ساتھ اس سے بالکل علیحدہ تھا جو حضرت عمرؓ نے کئی صدی قبل عیسائیوں کے ساتھ ریمانڈ و اٹل پوئی کا قیام لکھتا ہے۔

”جس وقت ہمارے آدمی دیوار اور گرجوں پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے یعنی کسی کا سر کٹا ہوا تھا اور یہ بہت ہی خفیف مصیبت تھی بعض کے چہرے مجروح تھے اور وہ با مجبوری اپنے کو دیواروں کے نیچے گر رہے تھے۔ بعض دیر تک مجروح پڑے رہنے کے بعد جلاد دیئے گئے تھے۔ بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سر ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر چلنا پڑتا تھا مگر یہ بہت ہی کم ہے بمقابلہ اس کے جو وقوع میں آیا۔“

یہی قسب دس ہزار مسلمانوں کے قتل کا حال لکھتا ہے جنہوں نے مسجد عمرؓ میں پناہ لی تھی وہ لکھتا ہے۔ ”حضرت سلیمان کی قدیم ہیکل میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس میں لاشیں صحن میں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ کسی کا پیر کسی جاڑھ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچانا بہت مشکل تھا۔ وہ سپاہی جنہوں نے یہ قتل عام کیا تھا بالمشکل خون کی بو اور خون کی برداشت کر سکتے تھے۔ صلیبیوں نے اس ابتدائی قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس مسلمانوں یہود اور غیر مقلد عیسائی مار دیئے جائیں۔ ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار تھی یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا۔ عورتیں بچے بوڑھے سب مارے گئے کوئی منتفیس جانبر نہ ہوا۔“^{۱۶}

صلاح الدین ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء بمطابق ۵۸۴ھ میں یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے خلاف جنگ شروع کر دی اور یکم جولائی کو چھ دن کے محاصرے کے بعد طبریہ کا قلعہ سر کر لیا۔ اس کے بعد حیتین کے مقام پر یروشلم کے بادشاہ گائی ڈی لوگناں اور اس کے حلیف ڈیوک رچنلڈ

آف چیٹیلان کے لشکر کے ساتھ بھاری جنگ کی۔ فرینوں یعنی عیسائیوں کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی۔ جمعہ کے روز لڑائی ہوئی۔ سلطان صلاح الدین نے عیسائیوں کا سارا لشکر اس کے بادشاہ اور سرداروں سمیت گرفتار کر لیا۔ سلطان نے یروشلم کے عیسائی بادشاہ سے فیاضانہ سلوک کیا لیکن رچنلڈ آف چیٹیلان کو بد عہدی کرنے کی بنا پر قتل کر دیا۔ اس نے طبریہ کے محاصرے کے وقت اس مضمون کا خلفیہ وعدہ دے کر رہائی پائی تھی کہ وہ سلطان کے خلاف نہیں لڑے گا۔ لیکن حنین کی جنگ میں پھر مقابلے پر آگیا۔ رچنلڈ پانی مانگ کر سلطان کا مہمان بننے کی کوشش کی تاکہ جان بچ جائے کیونکہ مسلمان اپنے مہمان کو قتل نہیں کرتے تھے لیکن اسے پانی نہیں دیا گیا۔ ۱۲ اکتوبر کو سلطان کی فوجیں یروشلم میں داخل ہو گئیں مسجد اقصیٰ میں ناقوس کی جگہ پھر اذانیں گونجنے لگیں اور الصخرہ کے گنبد پر سے سونے کی صلیب اتار دی گئی جو عیسائیوں نے وہاں نصب کر دی تھی۔ اس کے بعد سلطان نے اور بہت سے قلعے عیسائیوں کے ہاتھ سے چھین لیے۔ صرف انطاکیہ، طرابلس اور صور عیسائیوں کے قبضے میں رہے۔ ۸۰۰ سال تک تمام مذاہب مکمل آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت میں رہے مگر ۱۰۰ سال پہلے جنگ عظیم اول میں فلسطین مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

یہودیوں کے اپنے گھر کی کوشش

دو ہزار برس سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈرامہ کھیلا جاتا رہا ہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح آباد ہوئے اور کیسے بابل والے ہم کو لے گئے اور ہم کس طرح سے فلسطین سے نکالے گئے اور تیز تر ہوئے۔ اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں یہ بات ۲۰ صدیوں سے بٹھائی جا رہی ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کرو۔^{۱۸}

تھیوڈور ہر تزل نے صہیونی تحریک شروع کی جس کا مقصد یہودیوں کے لیے ایک وطن (قومی گھر) بنانا تھا۔ جو یہودیوں کی یہ عالمگیر انجمن برطانیہ کی خارجہ سیاست کا ایک خود کاشٹہ پودا تھی جو برطانوی سیاست کی ریشہ دوانیوں نے ۱۸۹۵ میں اس عرض سے قائم کرائی کہ جب کبھی زوال پذیر اسلامی خلافت اپنے پاؤں سے گر پڑے تو فلسطین کے اندر یہودیوں کو قومی گھر دلا کر اسے برطانیہ کے کشور کشایانہ استعماری منصوبوں کا ایک اڈا بنالیا جائے۔ یہ انجمن ۱۸۹۵ سے اس مطلب کا پروپیگنڈا کر رہی تھی کہ فلسطین کا ملک جو پرانے زمانوں میں یعنی ایک ہزار قبل مسیح سے لے کر ۷۰ عیسوی میلاد تک یہودیوں کا وطن رہ چکا ہے اور جہاں سے انہیں پہلی دفعہ ۵۷۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر یا بنو کد نجر نے نکالا اور ۴۰۰ قبل مسیح کے قریب ایران کے فاتح اعظم شہنشاہ خورس (سائرس) نے انہیں از سر نو آباد ہونے کی اجازت دی پھر دوسری دفعہ ۷۰ء میں رومیوں نے انہیں جلا وطن کر دیا پھر یہودیوں کو ملنا چاہیے۔^{۱۹}

خلیفہ کولالچ

اس کے لیے سب سے پہلے یہودیوں نے ترک خلیفہ کو اس تنظیم کے صدر ڈاکٹر ہر تزل نے ہر طرح کا لالچ دینے کی کوشش کی جس میں بڑی بڑی رقموں، انعامات، اور حکومتی قرضوں کی ادائیگی شامل تھی لیکن سلطان عبدالحمید نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا ”جب تک سلطنت

عثمانیہ قائم ہے یہودیوں کو سلطنت فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ بلکہ اس نے اور سختی شروع کر دی اور یہودیوں کو پابند کر دیا کہ وہ تین ماہ سے زیادہ فلسطین میں نہیں رہ سکتے اور اس مقصد کے لیے اس نے صرف یہودیوں کے لیے سرخ رنگ کا پاسپورٹ جاری کیا اس کے بعد انہوں نے ایک نیا حکم جاری کیا کی کوئی یہودی فلسطین میں ایک انچ زمین بھی نہیں خرید سکتا۔ اس کے نتیجے میں یہودیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف شازشیں شروع کر دیں۔^{۲۰}

عربوں کی ذہن سازی

خلیفہ کے انکار کے بعد یہودیوں نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے سازش شروع کی جس میں یہودیوں کا ساتھ یورپ کے سیاست دانوں نے بھی دیا اور اس شازس میں مسلمان بھی شامل ہوئے جن میں ہندی مسلمان اور عرب بھی تھے۔

یہودیوں نے ایک طرف ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی کہ وہ سلطنت کی بنا اسلامی اخوت کے بجائے ترک قوم پرستی پر رکھیں حالانکہ ترک سلطنت میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب اور کرد اور دوسری نسلوں کے مسلمان بھی تھے۔ ایسی سلطنت کو صرف ترکی کی قوم کی سلطنت قرار دینے کے صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمانوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ختم ہو جائیں۔ دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کریں۔ عربوں میں قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے۔ بیروت اس کامرکز تھا اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ ۱۹۱۴ء میں جیسہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے رفیق ہونے کی بجائے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔^{۲۱}

عربوں کی خلیفہ کے خلاف بغاوت

عراق، فلسطین اور حجاز کے عرب شیوخ اس چکمہ میں آگئے کہ جنگ کے خاتمے پر عرب ممالک میں عربوں کی آزاد مملکت قائم کر دی جائے گی اور انہیں ترکوں کی غلامی سے نجات دلادی جائے گی۔ جو خلافت اسلامیہ کے علمبردار ہونے کے باوجود عربوں کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں اور ان سے حقارت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ترک و عرب کا سوال جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے ہی کافی شدت اختیار کر چکا تھا اور ان عصری خیالات کی پیداوار تھا جنہوں نے انیسویں صدی مسیحی میں یورپ کے اندر نسلی اور وطنی قومیت کے احساس کو ترقی دی۔ خلافت عثمانیہ کے عروج کے زمانے میں پندرہویں اور سولہویں صدی کے مسلمانوں میں ترک و عرب، حبشی یا بربری ہونے کا احساس بہت کم پایا جاتا تھا لیکن اٹھارویں صدی میں ترک اور عرب دونوں ان خیالات سے متاثر ہوتے نظر آنے لگے۔ چنانچہ عربوں نے انگریزی افواج کو خوش آمدید کہا۔ ان کی امداد و اعانت کی اور ترکوں کے فوجی مراکز پر چھاپے مارنے لگے۔ شریف حسین مکہ نے حجاز میں بغاوت کا علم بلند کر کے ترک مسلمانوں کا عرب مسلمانوں کے ہاتھ قتل کرایا۔ عراق اور فلسطین میں عربوں نے بغاوت کا علم بلند کر کے انگریزوں کی امداد کی۔ ترک افواج عربوں کے ملکوں یعنی عراق اور فلسطین میں پسپا ہونے پر مجبور ہو گئیں۔^{۲۲}

۱۹۰۲ء میں عربوں اور ترکوں میں جنگ چھڑ گئی اسی سال شاہ سعود نے ریاض فتح کر لیا۔ انگریز شاطر ایک عرصے سے ترکی کو مددگار سمجھ کر ختم کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ اس نے لارنس عربیہ جیسے عیار کو آگے کیا تا کہ خلافت عثمانیہ کو ختم کر کے مسلمانوں کی مرکزیت اور جمعیت کو منتشر کر دے۔ انگریز شاہ سعود کی پشت پناہی کرتے رہے، یہود ان کے پیچھے اس آس پر لگے رہے کہ ترکوں کی شکست کے بعد فلسطین انہیں مل جائے گا۔ یہ صورت حال تھی کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔^{۲۳}

جنگ عظیم میں بیت المقدس پر قبضہ

برطانوی جرنیل ماڈ عراق عرب کے اندر پیش قدمی کرتا ہوا ۱۹۱۷ مارچ ۱۹۱۷ کو بغداد پر قابض ہو گیا۔ اس سال سلطان محمد خامس نے وفات پائی اور اس کی جگہ وحید الدین محمد سادس سلطان اور خلیفہ بنا۔ اسی سال انگریزوں کی فوجیں جنرل ایلن بی کی سرکردگی میں فلسطین کے عربوں کی مدد سے القدس یعنی یروشلم کے مقدس شہر میں داخل ہو گئیں۔ شریفین مکہ نے عربوں کو ابھار کر مکہ، مدینہ اور طائف میں ترک فوجوں اور شہریوں کا قتل کرادیا۔

اکتوبر ۱۹۱۸ میں جرنیل لارنس نے شام و فلسطین کے عربوں کی مدد سے دمشق سر کیا۔ اسی اثنا میں فرانس کی فوجیں لبنان اور شام میں داخل ہو کر اس کے شہروں پر قابض ہو گئیں۔ انگریزوں کی ان فتوحات کے صدقے میں ان ہندی مسلمانوں میں سے بہتوں کو جو انگریزوں کی فوج میں بھرتی ہو کر امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کی افواج کے خلاف لڑے تھے۔ کربلائے معلیٰ کے مقدس مقامات، بغداد شریف میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف غوث اعظم کے روضہ اقدس کی زیارت اور فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت کا موقع مل گیا اور ہندی مسلمانوں کے جو فوجی ارض حجاز میں شریف حسین کی مدد کے لیے گئے تھے اور جنہوں نے حرم کعبہ میں پناہ لینے والے ترکوں پر گولیاں چلائی تھیں انہیں بیت اللہ شریف کے حج اور عمرہ کی ”سعادتیں“ حاصل ہو گئیں۔

یہ تھا خلیفۃ المسلمین و امیر المومنین سلطان محمد خامس کے اس اعلان جہاد کا جواب جو ہندی مسلمانوں اور عربوں نے عملی طور پر دیا اور جو پورے سار سو تیس سال کے بعد ارض مقدس اور القدس (یروشلم) پر صلیب کے پرستار عیسائیوں کو دوسری دفعہ قابض کرانے پر منہج ہوا۔ القدس کا شہر ۶۳۴ء میں یروشیم کے مقدس گرجے کے اُسقف نے حضرت عمرؓ کو تسلیم کیا تھا۔ ۱۰۹۹ء میں فرنگستان کے وحشی صلیبیوں نے اس مقدس شہر پر پہلی دفعہ قبضہ جمایا جو دو کم نوے سال قائم رہا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فرمانروائے مصر نے ۱۱۸۷ء میں سارے یورپ کے صلیبیوں کی متحدہ طاقت کو شکست سے کر مقامات مقدسہ کی حفاظت و خدمت کا حق پھر مسلمانوں کے لیے حاصل کیا۔

۱۹۱۷ء میں انگریز عیسائیوں نے پھر اس شہر اور اس کے نواح کی مبارک سر زمین کو خود مسلمان کہلانے والے لوگوں یعنی ہندی اور عرب مسلمانوں کی مدد سے سر کر لیا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم لایڈ جارج نے القدس کی فتح پر یہ کہہ کر خوشی کا اظہار کیا کہ آج کے دن عیسائیوں نے صلیبی جنگجوؤں کی شکست کا بدلہ لے لیا۔ اس کامیابی پر دین اسلام کے دشمنوں یعنی یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے خوشی کے جشن منائے اور گھی کے چراغ جلانے۔ ان کے ساتھ انگریزوں کی حکومت کو آریہ رُحمت سمجھنے والے بعض ہندی (نام کے) مسلمانوں نے بھی جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کے لوگ پیش پیش تھے خوشیاں منا کر سرکار برطانیہ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا یہ کیفیات ظاہر کرتی ہیں کہ

بیسویں صدی مسیحی کے آغاز میں چودھویں صدی ہجری کے مسلمان دینی اور ملی احساسات سے کسی حد تک بیگانہ ہو چکے تھے۔ ان کے قابو چیلانہ اقتدار نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ان کی عیارانہ چالوں نے عربوں کو حمیت اسلامی کے اعتبار سے کسی حد تک اسفل السافلین میں گرا دیا تھا۔ اسی دوران میں فرانس نے ملک شام پر لشکر کشی کر کے لبنان اور شام کی ولایات پر قبضہ جمالیا۔ شام و لبنان کے عربوں (عیسائیوں اور مسلمانوں) نے ان کو خوش آمدید کہا۔ ۱۹۱۸ء میں یورپ کے محاذوں پر جرمنی، آسٹریا اور بلغاریہ کی فوجیں شکست کھانے لگیں اور ترکوں کو عربوں کی غداری نے عراق، فلسطین اور شام کے اندر ہزیمتیں دلائیں۔^{۲۳}

خلافت اسلامیہ کا خاتمہ

۱۹۲۴ء میں مجلس ملی کبیر (ترکی) نے دستور ملکی کا نیا نظام نامہ مرتب کر کے منظور کیا تو اس میں انہوں نے خلافت کے منصب کو بھی اڑا دیا۔ صدر جمہوریت گازی مصطفیٰ کمال نے اس موقع پر ایک اہم تقریر کی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ ترک قوم زمانے کے بدلے ہوئے حالات میں خلافت اسلامیہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتی۔ خلافت کا منصب موجودہ حالات میں بے معنی اور بے اثر بن چکا ہے۔ جس کا یقین ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم کے دوران عربوں، مصریوں اور ہندوستان کے مسلمانوں نے خلیفہ کے احکام سے سرتابی کی اور وہ خلافت کے علمبرداروں یعنی ترکوں کے خلاف لڑے، دیگر ملکوں کے مسلمانوں نے بھی اسے آڑے وقت میں خلافت کی کوئی مدد نہ کی اس دور میں جب کہ مسلمانوں کے بیشتر ملک اغیار کے محکوم ہیں خلافت کا ادراہ صحیح معنوں میں قائم نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانان عالم کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنے اپنے ملکوں میں پوری آزادی حاصل کریں اور اس کے بعد آپس میں دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم کر کے جو ٹھوس سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور فکری بنیادوں پر استوار کئے جائیں کسی آئندہ وقت میں خلافت کے منصب کو بحال کر لیں اس طرح ۱۹۲۴ء میں خلافت اسلامیہ کا ادارہ جو تیرہ سو سال سے اچھی یا بری حالتوں میں قائم چلا آ رہا تھا ختم ہو گیا اور مسلمانوں کی ایک آزاد قوم نے اپنا ایسا سیاسی نظام قائم کر لیا جو دینی ملحوظات سے یکسر آزاد تھا۔ ان اقدامات نے ترک قوم کے انداز نگاہ میں بھاری تبدیلیاں پیدا کر دیں اور وہ ہر بات میں اہل فرنگ کی نقالی کرنے کو ترقی کی معراج قرار دینے لگے یہاں تک کہ ان کی سوسائٹی کے عیوب مثلاً شراب نوشی اور فحاشی وغیرہ کو بھی ہنر سمجھنے لگے۔^{۲۵}

برطانیہ کا عربوں سے وعدہ

۱۹۱۵ء میں برطانوی سفیر سر ہنری مکموہن نے امیر مکہ شریف حسین کو خط لکھ کر یقین دلایا تھا کہ فلسطین کو سعودی عرب میں شامل کیا جائے گا۔ شریف حسین نے فلسطین کے علاوہ شام اور میسوپوٹامیہ (عراق عرب) کو بھی عرب میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا تھا، تاکہ بحیرہ قلمزم کو مغربی سرحد کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔^{۲۶}

پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے عربوں کو یہ یقین دلایا کہ عربوں کی ایک خود مختار ریاست بنائیں گے اور اس غرض کے لیے انہوں نے شریف حسین (حجاز کے حکمران) کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین اور عراق اور شام پر انگلستان کا قبضہ کر دیا تھا۔^{۲۷}

مکہ معظمہ کے شریف حسین ابن علی نامی کو اس مضمون کا چکمہ دیا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق ادنیٰ کے ان خطوں میں جہاں عرب آباد ہیں ان کی آزاد اور خود مختار سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ جنگ کے خاتمے پر برطانیہ کی حکومت نے مملکت خلافت عثمانیہ کے عرب آبادی رکھنے والے خطوں کو الگ الگ ریاستوں عراق، شام، لبنان، اردن، فلسطین اور حجاز میں منقسم کر کے ان میں بعض کی حکمداری اپنے ذمے لے لی۔ شام و لبنان کی حکمداری فرانس کو تفویض کرادی اور فلسطین کے اندر اپنے زیر حمایت اہل فلسطین کی کوئی ریاست قائم کرنے کی بجائے اس کا حکومتی اقتدار بلا واسطہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

۱۹۳۹ء میں جب برطانوی مدبروں کو صاف نظر آنے لگا کہ جرمنی اور اس کے حلیفوں کے ساتھ دوسری عالمگیر جنگ چھڑ کر رہے گی۔ تو برطانوی حکومت نے فلسطین کے باشندوں کو فریب دینے کے لیے اس مضمون کا اعلان کر دیا کہ پانچ سال تک یہودیوں کی ایک معین تعداد کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت جاری رکھی جائے گی۔ پھر پانچ سال فلسطین کے اندر ان کا داخلہ ممنوع رہے گا اور دس سال کی معیاد گزر جانے پر فلسطین کو ایک واحد ملک کی حیثیت سے آزاد کر دیا جائے گا اور برطانوی حکومت حکمداری سے دست بردار ہو جائے گی۔^{۲۸}

یہودیوں کے لیے مختلف ممالک کی تجویز

یہودیوں کی تنظیم صیہونیت کے شروع میں کئی یہودی صیہونی شخصیات نے فلسطین سے باہر کی جگہوں جن میں ار جنٹائن اور یوگنڈا شامل تھے یہودی ریاست کی حمایت کی جن میں تھیوڈور ہرتزل جو صیہونیت کا بانی تھا وہ بھی رضامند تھا تاہم دوسرے افراد جو اس تنظیم سے وابستہ تھے اس کی مخالفت کی۔ فلسطین پر تھیوڈور ہرتزل کی توجہ صیہونی منشور جو دنستات کی اشاعت کے بعد مرکوز ہوئی لیکن اس کے بعد بھی وہ متذبذب تھا۔

اس کے بعد برطانوی نو آبادیاتی سیکرٹری یوسف چیمرلین نے تھیوڈور ہرتزل کو آباد کاری کے لیے یوگنڈا کا ۵۰۰۰ مربع میل علاقہ دینے کی پیشکش کی اس کو یوگنڈا پلان کہا جاتا ہے۔۔

یہودیوں کی تنظیم صیہونیت کے لیڈر ڈاکٹر ہرتزل نے یہودیوں کے ملک کے لیے دو ممکن جگہوں ار جنٹائن اور فلسطین میں یہودی آباد کاری کی تجویز دی۔ اس نے فلسطین پر ار جنٹینا کو اس کے وسیع علاقوں، معتدل موسم اور کم آبادی کی وجہ سے فوقیت دی۔ لیکن یہ تسلیم کیا گیا کہ فلسطین سے مذہبی تعلق کی وجہ سے اس کو بطور گھر تسلیم کیا یہودیوں کی اس تنظیم نے یوسف چیمرلین کی ایک تجویز مشرقی افریقی ملک یوگنڈا کو بھی یہودیوں کو دینے کی تجویز دی جس کو انہوں نے مسترد کرتے ہوئے فلسطین کو ہی اپنا گھر بنانے پر زور دیا۔^{۲۹}

فلسطین کو یہودیوں کا گھر بنانے کی سازش

ارض مقدس کے حصے بخرے: فلسطین ارض مقدس پر برطانیہ کی فوجوں نے بیسویں صدی مسیحی کی پہلی جنگ عظیم کے دوران میں (۱۹۱۸ء) میں قبضہ جمالیا تھا اور جنگ کے خاتمے پر اس سر زمین کے انتظام کی ذمہ داری بھی برطانیہ ہی کی حکومت نے حکمداری کے نام سے

سنجالی۔ حکمداری کا پتروانہ اس جمعیۃ الاقوام (لیگ آف نیشنز) سے حاصل کر لیا تھا جو اس عالمگیر جنگ کی فاتح اقوام نے مفتوحہ ملکوں کو آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے قائم کی تھی۔

برطانیہ کی سیاست نے اس جنگ عظیم میں ترکوں کے خلاف جو خلافت اسلامیہ کے علمبردار تھے عربوں کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لیے مکہ معظمہ کے شریف حسین ابن علی نامی کو اس مضمون کا چکمہ دیا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق ادنیٰ کے ان خطوں میں جہاں عرب آباد ہیں ان کی آزاد اور خود مختار سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ دوسری جانب برطانوی مدبروں نے دنیا بھر کے یہودیوں کی مالی اور اخلاقی امداد حاصل کرنے کی غرض سے یہودیوں کی بین الاقوامی انجمن کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا کہ فلسطین میں یہودیوں کو ایک گھر بنا دیا جائے گا اور جو یہودی اس گھر میں آباد ہونا چاہیں گے برطانوی حکومت ان کی پوری پوری مدد کرے گی۔

یہودیوں کی فلسطین آمد

برطانیہ کی سیاست نے اس جنگ عظیم میں ترکوں کے خلاف جو خلافت اسلامیہ کے علمبردار تھے عربوں کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لیے مکہ معظمہ کے شریف حسین ابن علی نامی کو اس مضمون کا چکمہ دیا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق ادنیٰ کے ان خطوں میں جہاں عرب آباد ہیں ان کی آزاد اور خود مختار سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ دوسری جانب برطانوی مدبروں نے دنیا بھر کے یہودیوں کی مالی اور اخلاقی امداد حاصل کرنے کی غرض سے یہودیوں کی بین الاقوامی انجمن کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا کہ فلسطین میں یہودیوں کو ایک گھر بنا دیا جائے گا اور جو یہودی اس گھر میں آباد ہونا چاہیں گے برطانوی حکومت ان کی پوری پوری مدد کرے گی۔

برطانیہ نے سیاست کے مقاصد کے پیش نظر فلسطین کے ایک حصے میں یورپ کے آدراہ گرد یہودیوں کو لالا کر آباد کرنے کی مہم پوری سرگرمی کے ساتھ اختیار کر لی تاکہ اس ارض مقدس میں جہاں سے یہودی تقریباً دو ہزار پہلے کلیتاً نکال دیئے گئے تھے انہیں ”اپنا گھر“ بنانے کا موقع مل جائے۔ فلسطین کے عربوں نے جن میں مسلمان اور عیسائی یکساں طور پر شامل تھے برطانوی حکومت کی اس پالیسی کے خلاف احتجاجی اقدامات اختیار کیے جو ۱۹۲۹ء میں بدامنی اور فسادات کی صورتوں میں ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد برطانوی سیاست نے ۱۹۳۵ء میں فلسطین کو تین حصوں پر منقسم کرنے کی تجویز نکالی جس کا منشا یہ تھا کہ ایک حصے میں یہودیوں کی خود مختار حکومت اور دوسرے میں عربوں کی حکومت قائم کر دی جائے اور تیسرا حصہ جس میں القدس (یروشلم) کا شہر اور دیگر مقدس مقامات ہوں برطانوی حکومت کی تحویل میں رہے۔ فلسطین کے باشندوں نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور فلسطین کے اندر عربوں اور یہودیوں کی واحد مشترکہ اور آزاد حکومت کے قیام کا مطالبہ منوانے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

۱۹۳۹ء میں جب برطانوی مدبروں کو صاف نظر آنے لگا کہ جرمنی اور اس کے حلیفوں کے ساتھ دوسری عالمگیر جنگ چھڑ کر رہے گی۔ تو برطانوی حکومت نے فلسطین کے باشندوں کو فریب دینے کے لیے اس مضمون کا اعلان کر دیا کہ پانچ سال تک یہودیوں کی ایک معین تعداد کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت جاری رکھی جائے گی۔ پھر پانچ سال فلسطین کے اندر ان کا داخلہ ممنوع رہے گا اور دس سال کی معیاد گزر جانے پر فلسطین کو ایک واحد ملک کی حیثیت سے آزاد کر دیا جائے گا اور برطانوی حکومت حکمداری سے دست بردار ہو جائے گی۔

ستمبر ۱۹۴۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی جرمنی نے ابتدائی دو سالوں میں وسطی یورپ کے تمام ملک فتح کر لیے اور جرمنی کے اور ان ملکوں کے یہودیوں کو جو انگریزوں کے ایجنٹ تھے گھروں سے نکال کر کیمپوں میں اکٹھے کر دیا۔ جنگ ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔^{۳۰} برطانیہ، امریکہ، فرانس، روس اور ان کے حلیف فتح یاب ہوئے۔ جنگ کے خاتمے پر فاتحین کے سامنے یورپ کے خانماں برباد یہودیوں کا سوال بھی آیا اور امریکہ نے ان سب کو فلسطین میں آباد کرنے پر زور دیا۔ برطانیہ حکومت نے اپنے اس اعلان کو بالائے طاق رکھ کر جو اس نے ۱۹۳۹ء میں کیا تھا یہودیوں کو جوق در جوق فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ نہ صرف اجازت دی بلکہ انہیں اپنی قومی اور عسکری تنظیمات قائم کرنے کی بھی کھلی چھٹی دے دی۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۸ء کے وسط تک فلسطین کے اندر یہودیوں کے استحکام پکڑنے کا عمل جاری رہا۔ اس اثنا میں یہودیوں نے اپنی عسکری تنظیمات کے بل پر عربوں کو ان کے علاقوں سے جن میں ان کی بھاری اکثریت آباد تھی باہر نکال دیا اور یہ عرب، عراق، اردن اور فلسطین میں پناہ گزینوں کی حیثیت میں داخل ہو گئے۔

برطانوی سیاست نے جب دیکھا کہ یہودی کافی حد تک منظم اور طاقتور بن گئے ہیں تو برطانوی حکومت ۱۵ جون ۱۹۴۸ء کو فلسطین کی حکمداری سے دست بردار ہو گئی۔ یہودیوں کی انجمن نے دست برداری کے اس اعلان کے ساتھ ہی فلسطین کے ان اقطاع میں جہاں وہ آباد ہو چکے تھے اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنی ریاست کا نام اسرائیل قرار دیا۔ امریکہ کی حکومت نے یہودیوں کی اس ریاست کو اس کے قیام سے چار گھنٹے پہلے تسلیم کر لیا۔ برطانیہ، فرانس اور دنیا کے دوسرے ملکوں نے امریکہ کی پیروی کی۔

برطانیہ نے فلسطین پر اپنے قبضے کے دوران یہودیوں کے لیے فلسطین کی جانب ہجرت کے دروازے کھول دئے جس کے نتیجے میں ۱۹۱۸ء میں یہودیوں کی تعداد ۵۵۰۰۰ سے بڑھ کر ۶۱۹۴۸ لاکھ سے بڑھ گئی جب کہ آبادی میں تناسب ۸ فیصد سے بڑھ کر ۳۱ فیصد ہو گیا۔ برطانوی انتظامیہ نے یہودیوں کو فلسطین کی زمین کی خریداری میں بھی مدد فراہم کی یہودیوں کی فلسطین میں ملکیت ۶۷ فیصد تک ہو گئی۔ یہودیوں نے برطانوی اقتدار کے زیر سایہ رہتے ہوئے ۱۹۴۸ء تک ۲۹۲ کالونیاں بنائی تھیں اور اپنی فوج بھی تیار کر لی تھی۔^{۳۱}

فلسطین کی تقسیم کی تجویز

۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اس کے حق میں ۳۳ اور خلاف ۱۳ ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ تقسیم کی جو تجویز پاس کرائی گئی اس کی رو سے فلسطین کا ۵۵ فیصد رقبہ ۳۳ فیصد یہودی آبادی کو اور ۴۵ فیصد رقبہ ۶۷ فیصد عرب آبادی کو دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت فلسطین کی زمین کا صرف ۶ فیصد حصہ یہودیوں کے قبضہ میں آیا تھا۔^{۳۲}

عرب اسرائیل جنگیں

اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد ہی ہمسایہ عرب فوجیں ممالک نے اسرائیل پر حملہ کر دیا اس کے نتیجے میں اسرائیل برطانوی مینڈیٹ سے دو تہائی زیادہ حصہ پر قبضہ کر لیا، اس کے علاوہ۔ مصر کی فوجوں نے فلسطین کے ایک حصہ پر قبضہ جما لیا۔ شرق اردن نے فلسطین کے دوسرے حصے میں اپنی فوجیں بڑھادیں۔ امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کو کافی سے زیادہ سامان جنگ بھیج چکے تھے۔ ان کی تنظیمات اعلیٰ پایہ کی تھیں۔ اس لیے

عرب ریاستیں متحدہ کوشش کے باوجود اسرائیل کو شکست نہ دے سکیں۔ شرق اردن کی فوجوں نے یہودیوں کو قدیم یروشلم سے باہر نکال کر اس مقدس شہر کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ جدید یروشلم پر یہودی قابض رہے۔ جنگ سال بھر جاری رہی۔^{۳۳}

اس جنگ کے نتیجے میں تقریباً لاکھ فلسطینیوں کو ملک بدر کیا گیا اور جنگ بندی میں اسرائیل نے یہ وعدہ کی کہ ملک بدر کئے جانے والے فلسطینیوں کو ملک واپس آنے کی اجازت دے گا مگر یہ وعدہ آج تک پورا نہیں ہوا۔^{۳۴}

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے یورپ کی مدد سے عربوں کو بہت بری شکست دی اور چند دنوں میں فلسطین کی باقی زمین پر بھی قبضہ کر لیا جس کے نتیجے میں مغربی کنارے کا مشرقی علاقہ القدس واقع ہے یہودیوں کے قبضہ میں آگیا، غزہ کا ایک حصہ، شام کا گولان کا پہاڑی سلسلہ اور مصر کا صحرائے سینا اس کے علاوہ مزید ۳۳۰۰۰۰ فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔^{۳۵}

اور مزید یہودیوں کو فلسطین میں لا کر آباد کیا جن کی تعداد ۲۰۰۰ء ۵۲ لاکھ ہو گئی۔

۱۹۷۳ء کی جنگ میں مصر نے اسرائیل کے خلاف بڑی کامیابی حاصل کی اس نے نہر سویز کے مشرقی حصہ بلکہ صحرائے سینا پر بھی قبضہ کر لیا، لیکن مصری صدر نے کیپ ڈیوڈ معاہدہ کر کے اس فتح کو صرف اور صرف مصری حکومت تک محدود کر دی اس کا فلسطینیوں کو کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔^{۳۶}

مودجہ صورت حال

موجودہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا حصہ ویسٹ بنک کا علاقہ ہے جس پر الفتح پارٹی کا کنٹرول ہے جب کہ دوسرا علاقہ غزہ کا علاقہ ہے جس کو حماس کنٹرول کرتا ہے حماس ایک مجاہدین کی تنظیم ہے جو فلسطین کی مکمل آزادی کے لیے متحرک ہے۔ حماس کی بنیاد شیخ احمد یاسین ۱۹۸۷ء میں رکھی۔

ویسٹ بنک کے علاقہ میں یہودی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی نئی آبادیاں یہاں تعمیر کر رہے ہیں۔ غزہ کا علاقہ ۴۸ کلو میٹر لمبا اور ۱۲ کلو میٹر تک چوڑا ہے۔ اس میں ۲۰ لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ ویسٹ بنک اور غزہ کے درمیان ۹۳ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔^{۳۷}

اسرائیل حماس کے مجاہدین کو نشانہ بنانے کا بہانہ بنا کر غزہ پر حملہ کرتی رہتی ہے جس میں عام فلسطینیوں کو نقصان ہوتا ہے اس کا اصل مقصد غزہ کی پٹی کے علاقہ کو فلسطینیوں سے خالی کروانا اور اس پر قبضہ کرنا ہے۔ ان حملوں میں دسمبر ۲۰۰۸، ۲۰۱۴ اور حالیہ اسرائیلی دہشتگرد قابل ذکر ہیں جب کہ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں روز کا معمول ہے۔

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق موجودہ جنگ میں اب تک ۱۹۰۰۰ افراد شہید ہو چکے ہیں جن میں ۴۰۰۰ کے قریب بچے شامل ہیں جب کہ ۲۳۰۰۰ افراد زخمی ہوئے ہیں۔^{۳۸}

اسرائیل نے دہشت گردی کرتے ہوئے فلسطینیوں کا رابطہ پوری دنیا سے کٹ کر دیا ہے ان کے پاس کیمونیکیشن کے کوئی آلات نہیں رہے ان کی مکمل ناکہ بندی کی ہوئی ہے۔ پانی، خوراک اور ادویات کی شدید کمی کا سامنا ہے غزہ کو کوئی ہسپتال سکول یا کوئی عمارت نہیں بچی جو

سلامت نہیں رہی۔ اسرائیلی جارحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حماس کے مجاہدین کا بہانہ بنا کر فلسطینیوں کے ہسپتالوں اور پناہ گزینوں کے کیمپوں پر بم باری کر رہا ہے۔

حالیہ جنگ میں اب تک ۱۰ لاکھ فلسطینی نقل مکانی کر چکے ہیں۔ اسرائیل کی حمایت میں یورپ اور امریکہ کھڑے ہوئے ہیں جب کہ کوئی مسلم ملک فلسطینیوں کی حمایت میں کھل کر سامنے نہیں آ رہا۔ امریکہ اور برطانیہ سالمی کونسل کی قرارداد جو اسرائیل کے خلاف تھی اس کو ویٹو کر چکا ہے جب کہ جنرل اسمبلی میں پیش کی گئی جس میں ۱۲۰ ممالک نے اس کے حق اور ۱۴ ممالک نے اس کے خلاف ووٹ دیا جب کہ اسرائیل نے اس قرارداد کو مسترد کر دیا جو اقوام متحدہ کے منہ پر طمانچہ ہے۔

حاصل بحث

اسرائیل کا وزیر اعظم نتن یاہو نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ یہودی فلسطین کی سر زمین کے ۳۵۰۰ سال سے وارث ہیں جب کہ عربوں نے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ اپنی سر زمین میں واپس جائیں۔ فلسطین کا علاقہ یہودیوں کے بقول اور تورات کی تعلیمات کے مطابق اگر خدا نے فلسطین کی سر زمین ابراہیمؑ کو دی تھی تو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے جتنا حق یہودیوں کا ہے کہ وہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہیں اتنا ہی حق عربوں کا ہے کیونکہ وہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے۔

اگر فلسطین کی سر زمین پر حکومت کی بات کی جائے تو مسلمانوں نے یہودیوں سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ فلسطین جو جنگ عظیم اول سے پہلے ۱۰۰ فیصد فلسطینیوں کا علاقہ تھا اب جنگوں اور یہودی قبضے کی وجہ سے کم ہو پہلے ۴۰ فیصد اور اب صرف ۱۲ فیصد رہ گیا ہے۔ اسرائیل جنگ میں نقصان ہمیشہ فلسطینی عربوں کا ہوا ہے اور ہر جنگ کے بعد اسرائیل کے علاقے میں اضافہ ہوتا گیا اور فلسطینیوں کی آبادی اور علاقے میں کمی ہوتی گئی۔ فلسطینیوں کو ہر دفعہ مجبور کیا گیا کہ وہ یہاں سے نقل مکانی کر جائیں۔ حالیہ جنگ میں ۱۰ لاکھ کے قریب فلسطینی مصر کی سرحد کے قریب پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ حالیہ طور پر ایک تجویز زیر بحث ہے کہ ان فلسطینیوں کو مصر کے صحرائے سینا میں رہنے دیا جائے تاکہ اسرائیل سارے غزہ کا کنٹرول سنبھال لے۔ اسرائیل بار بار فلسطینیوں کو دھمکی دے رہا ہے کہ غزہ کو خالی کر دیا جائے اور اس کے لیے اس نے شہری علاقوں اور پناہ گزینوں کے کیمپوں پر بھی بم باری کی ہے۔ اسرائیل کی کوشش ہے کہ وہ فلسطین، مصر، سعودی عرب، کویت، عراق، شام، اردن اور ترکی کے بعض علاقوں کو اپنی ریاست میں شامل کرے اور گریٹر اسرائیل کا خواب پورا کرے۔ اگر مسلم ممالک نے اور خاص کر عربوں نے اسرائیل کو نہ روکا تو یہ اژدھا تمام عربوں کو کھا جائے گا۔

حواشی و حوالہ جات

¹ (<http://birtanniza.com/place/palestane>)

² سید، رضی الدین، یہودی مذہب، (لاہور، شرکت الانبیاء، ۲۰۲۱)، ص ۲۱۷۔

- ۳ عابدہ فیاض، پروفیسر، عکس جہاں، (لاہور، خان خان بک کمپنی، ۲۰۱۹)، ص ۹۷-۹۸۔
- ۴ ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب، حصہ پیدائش تا استثنائ (لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۱۸)، ص ۲۸۴۔
- ۵ ندوی، عنایت اللہ وانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۵۹۔
- ۶ توریت، پیدائش باب ۱۲ آیت ۲۱۔
- ۷ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۸۴۔
- ۸ القرآن الکریم، سورۃ المائدہ، آیت: ۲۱ تا ۲۲۔
- ۹ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۱۱۲۔
- ۱۰ ظفر یوسف، یہودیت تاریخ فطرت اور عزائم، (لاہور، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹)، ص ۵۰۔
- ۱۱ ندوی، عنایت اللہ وانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۵۹۔
- ۱۲ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، مترجم سید عاصم محمود (لاہور، الفیصل، ۲۰۰۳)، جلد اول ص ۵۶۸۔
- ۱۳ شرر، عبدالحلیم، تاریخ یہودیت، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۶۶۔
- ۱۴ ویر، رابٹ وین ڈی، یہودیت، تاریخ، عقائد، فلسفہ، مترجم ملک اشفاق، (لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۹)، ص ۱۰۲۔
- ۱۵ داناپوری، عبد الرؤف، فلسطین مجد اقصیٰ اور دیوار گریہ، (کلکتہ، خلافت کمیٹی، ۱۹۹۸)، ص ۱۵۔
- ۱۶ گستاوی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب، مترجم، سید علی بلگرامی (لاہور، الفیصل، ۲۰۲۰)، ص ۱۸۶۔
- ۱۷ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اسلام، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۳۳۰۔
- ۱۸ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۰)، ص ۲۹۰۔
- ۱۹ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اسلام، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۵۹۔
- ۲۰ ندوی، عنایت اللہ وانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۵۹۔
- ۲۱ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۰)، ص ۲۹۴۔
- ۲۲ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۵۶۰۔
- ۲۳ ظفر یوسف، یہودیت تاریخ فطرت اور عزائم، (لاہور، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹)، ص ۲۴۷۔
- ۲۴ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۵۶۰ تا ۵۶۱۔
- ۲۵ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۵۷۷۔
- ۲۶ ظفر یوسف، یہودیت تاریخ فطرت اور عزائم، (لاہور، احمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹)، ص ۲۴۸۔
- ۲۷ ہزاروی، محمد اشرف، اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے؟ (لاہور، جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر، ۲۰۰۴)، ص ۲۳۹۔
- ۲۸ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۶۱۶۔
- ۲۹ (Tessler, Mark A (1994). A History of the Israeli-Palestinian Conflict. Indiana University Press) p
- ۳۰ میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اسلام، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۶۱۶۔
- ۳۱ ندوی، عنایت اللہ وانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۹۱۔

^{۳۲} ہزاروی، محمد اشرف، اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے؟ (لاہور، جمعیتہ کمپوزنگ سنٹر، ۲۰۰۴)، ص ۲۴۲۔

^{۳۳} میکشن، مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، (لاہور، کتاب میلہ، ۲۰۲۰)، ص ۶۱۶۔

^{۳۴} ندوی، عنایت اللہ دوانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۹۳۔

^{۳۵} ندوی، عنایت اللہ دوانی، بیت المقدس اور فلسطین (لکھنؤ، ابوالحسن علی ندوی انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۶)، ص ۹۶۔

^{۳۶} ندوی، محمد واضح رشید، مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام، (لکھنؤ، دار الرشید، ۲۰۱۱)، ص ۲۴۔

³⁷ <https://www.distancefromto.net/distance-from-west-bank-to-gaza-ps>

³⁸ <https://news.un.org/en/story/2023/11/1143107>